یہودیت اور اسلام

تاریخ وحالات کے تناظر میں!

تحریر: علامہ یوسف جبریل واہ کینٹ

یہودیوں کی کتاب میں واشگاف الفاظ میں نبی کریم آخر الزمان ﷺ کے متعلق پیشین گوئی موجود ہے۔ اب بھی موجود ہے۔ مگر یہودی اپنی فطری شقاوت کے سبب مصر رہے کہ وہ نبی خود بنی اسرائیل سے ہوگا۔ حالانکہ یہ ان کی سراسر زیادتی اور ہٹ دھرمی کا ایک بین ثبوت ہے۔ اسلام نے ان کو اس پیشین گوئی کی یاد دہانی کرائی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ وہ نبیؐ جن کے متعلق توریت میں پیشین گوئی موجود ہے خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیغمبروں کے جدِ امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے بیٹے ہیں۔ یہودیوں کو بتایا گیا کہ تم ایسے عہدۂ جلیلہ کے اہل کس طرح سے ہو سکتے ہو کہ اگر تمہیں اختیار حاصل ہو۔ تو تم کھجور کی ایک گٹھلی بھی کسی محتاج اور مستحق کو دینے سے گریز کرو۔

یہودیوں کا خدا بنی اسرائیل کا رب تو ہے مگر سارے جہانوں کا رب۔ ساری بنی نوعِ انسانی کا رب ہرگز نہیں۔ یعنی ربِ اسرائیل تو ہے۔ رب العلمین نہیں۔ یہودیوں نے ہمیشہ سے God of ISRAEL کے نام سے یاد کیا۔ اور ہمیشہ یہی تصور قائم رکھا۔ یہودیوں کے علاوہ باقی ساری خدائی یہودیوں کے خدا کی خدائی سے خارج ہے۔ یہ یہودیوں کی سراسر زیادتی ہے اور یہ تعلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور یہ تصور حضرت موسیٰ کے تصور سے مختلف تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جس رب نے کلام کیا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نگاہ میں رب العالمین تھا۔ رب العالمین پہلے تھا اور ربِ اسرائیل بعد میں۔ یہودیوں کا مطمحِ نظر توحید اسلامی کے سراسر منافی تھا۔ اسلام نے رب کو اللہ کے نام سے پکارا۔ اور رب العالمین کے لقب سے یاد کیا۔ اور ساری دنیا کی خدائی کو اسی نام میں محیط کر دیا۔ اسلام کا رب اسمِ معرفہ ہے۔ اللہ ساری مخلوق کا رب ہے۔ ساری بنی نوعِ انسانی کا رب ہے۔

یہودیوں کے پاس انسانیت کی عالمگیر برادری کا کوئی نظریہ موجود نہیں۔ ان کی قومیت یہودیت تک محدود ہے، بلکہ انہوں نے شروع سے اپنے آپ کو دوسری انسانیت سے الگ تصور کیا۔ اور اپنے آپ کو ارفع و اعلیٰ سمجھا۔ یہ لوگ اپنی تاریخ کے کسی دور میں جہاں بھی رہے، اپنی بستیاں الگ، محلے الگ بنا کر رہے۔ غیر یہودیوں سے سود لینا حلال جانا، غیر یہودی سے جھوٹ بولنا۔ مکر کرنا، ٹھگی کرنا، جائز سمجھا، یہودی دنیا کے گوشے گوشے میں

غداری، سود خوری، عیاری، دروغ گوئی، فحاشی، بے حیائی، بے مروتی، بخل، سنگ دلی، کینہ شعاری اور زراندوزی کیلئے ضرب المثل ہوئے۔ اسلام نے ان کے برعکس انسانیت کی عالم گیر برادری کا نظریہ قائم کیا۔ محبت، ملنساری، مروت، باہمی رواداری، ہمہ گیر انصاف، ہمہ گیر اخلاق، جود وسخا، عفوودرگزر کا درس دیا۔ اسلام کی نگاہ میں غداری، غداری ہے۔ ہر حال میں غداری ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں۔ اسی طرح جھوٹ، مکر، فریب، ٹھگی، غرضیکہ ہر عیب اور ہر برائی فی نفسہ برائی ہے۔ قومیت اور مذہب کی بنیادوں پر ان برائیوں میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا۔ مسلم یا غیر مسلم مومن یا کافر کی کوئی تخصیص نہیں۔ گناہ بہر حال گناہ ہے۔

یہودیوں میں رنگ اور نسل کی تمیز تھی۔ محدود قومیت کی تمیز تھی۔ یہودی بزعم خود باقی تمام قوموں سے افضل واعلی تھے۔ اسلام نے اس نسلی امتیاز پر سرے سے قلم کھینچ دی۔ اور بزرگی کی بنا حسب ونسب یا رنگ ونسل، یا فقر ودولت پر نہیں بلکہ تقویٰ واکتساب فضلیت پر رکھی۔ اسلام میں سب آدمی برابر ہیں۔ گورے کو کالے پر، عربی کو عجمی پر، بحسب حسب ونسب کوئی فوقیت نہیں۔ یہودیوں میں مساوات کا فقدان تھا اور یہ مساوات کا فقدان ان کی ہزار خرابیوں کا باعث ہوا۔ اسلام نے انسانوں کو مساوات کا سبق دیا۔ ہر شخص کو مساوی حقوق اور مساوی مواقع مہیا کئے۔ یہودیوں میں رہبانیت کا رواج تھا۔ چرچ کی باقاعدہ حکومت تھی۔ مذہب کے تمام امور ورسوم راہبوں اور پادریوں کے سپرد تھے۔ حکومت کے اندر پادریوں کی ایک دوہری حکومت تھی۔ کسی بھی غیر پادری کو کوئی مذہبی رسوم سرانجام دینے کی قطعاً ممانعت تھی۔ اسلام نے رہبانیت اور چرچ کی حکومت کو یکسر منسوخ کر دیا۔ اور اس کی جگہ خلافت کو قائم کیا اور دینی اور دنیاوی امور ایک ہی شخص کے سپرد کر دیئے، سیاست کو مذہب میں مدغم کر کے مذہب کے ماتحت کر دیا۔ اس طرح خلیفہ کو سوائے فرض منصبی کی انجام دہی کے کوئی فوقیت کسی پر نہ رہی۔ یہودی لوگ گرجے (معبد خانہ) کے بغیر کہیں بھی عبادت نہ کر سکتے تھے۔ اسلام نے مسجد کے علاوہ تمام روئے زمین کو اللہ کی مسجد قرار دیا یہودیوں نے بعض حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں۔ مثلاً اونٹ کا گوشت یا چربی وغیرہ۔ اور بعض حرام چیزیں اپنے اوپر حلال کر رکھی تھیں۔ مثلاً سود وغیرہ۔ اسلام نے حرام کو حرام، اور حلال کو حلال قرار دیا۔ اور اسی لئے قرآن حکیم کا نام "فرقان" ٹھہرا۔

یہودیوں میں سود کی لعنت اس قدر رچ گئی کہ جب اسلام نے سود کو حرام قرار دیا۔ تو یہودی یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ آخر تجارت اور سود میں فرق کیا ہے؟ اور اس کے کیا معنی ہیں کہ اسلام تجارت کے نفع کو تو حلال ٹھہراتا ہے اور سود کو حرام کر رکھا ہے۔ اسلام نے سود کو سراسر ظلم اور دنیا کے اقتصادی نظام کے سراسر منافی قرار دیا۔ اور سود کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے مترادف قرار دے کر قرض حسنہ کی سفارش کی۔

یہودی اپنے آپ کو برتر نسل (CHOSEN SEED) اور خود کو خدا کا بیٹا تصور کرتے تھے۔ اور اسی بنا پر یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ گناہوں کی سزا میں انہیں کچھ تھوڑا سا عرصہ ہی عذاب میں رکھا جائیگا اور پھر وہ عذاب سے نکال دیئے جائیں گے۔ اسلام نے اس نسلی برتری اور سزا و جزاء کے اختصاصی تصور کو باطل بلکہ لغو قرار دیا۔ اور سزا و جزاء کلیتاً اعمال پر رکھی۔

یہودی طبعاً مادہ پرست واقع ہوئے ہیں۔ روحانیت کو ان کی زندگی میں کم دخل تھا۔ اسلئے انہوں نے اپنا منتہائے مقصود ہی مال و دولت کو سمجھا۔ اور اگرچہ انتہائی بخل اور کنجوسی کے سبب جاہ و جلال یا شان و شوکت سے قطعاً محروم رہتے تھے مگر دولت کے قارون تھے، اس مادہ پرستی کے طفیل ہر اس لعنت اور ہر اس عذاب میں جو مادہ پرستی پر منتج ہوتا ہے۔ گرفتار ہو کر رسوائے زمانہ ہوئے۔ اسلام نے ان کے مقابل میں ایک ایسی متوازن زندگی کا نظریہ قائم کیا۔ جس میں مادی ضروریات زندگی کے ساتھ ساتھ روحانی اور اخلاقی اقدار کو بھی قائم رکھا۔ اور افراط و تفریط سے محفوظ کر دیا۔ مادیت اور روحانیت کا ایک ایسا امتزاج پیش کیا۔ کہ دنیا کے بڑے بڑے فلسفہ دان، عش عش کر اٹھے۔ مادیت اور روحانیت کا باہمی رشتہ بحسبِ مرتبہ قائم کیا۔ اس فانی زندگی کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح اسلئے ہے کہ آخرت ہمیشہ کی رہنے والی زندگی ہے۔ اسی طرح مادی عنصر پر روحانی اور اخلاقی عنصر کو ترجیح دی گئی لیکن جس طرح فانی زندگی کی اہمیت اس بات میں ہے کہ یہی زندگی آخرت کی زندگی کیلئے ایک کھیتی ہے۔ جو کچھ یہاں بوئیں گے، آخرت میں کاٹیں گے۔ اس لئے اسلام نے اس فانی زندگی کو بجائے خواب کے ایک زندہ حقیقت تسلیم کیا ہے۔ اور زندگی میں شدید جدوجہد، تگ و دو اور تحقیق و جستجو کو لازم قرار دیا ہے۔ ہر سانس کی ایک قیمت ہے۔ ہر لمحہ انمول ہے۔ جو لمحہ گذر گیا۔ پھر نہیں آئے گا۔ اس ضمن میں اسلام نے مادی ضروریات کو مشروط قرار دیا ہے اور مادی ضروریات میں پاکیزگی کا عنصر داخل کر دیا ہے۔ اسلام نے مادی ضروریات کے اکتساب اور استعمال کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ تمام ضروریات کا استعمال اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کی خدمت کے لئے ہو۔ غذا اس لئے کھائی جائے کہ زندگی قائم رہے اور زندگی اس لئے قائم رہے کہ خدا کے دین کی خدمت اور بدی کے خلاف جہاد کیا جا سکے۔ اور اللہ تعالیٰ کی زمین کو بدی سے پاک کیا جائے۔ اور نظر ہمیشہ عاقبت پر ہو۔

یہودیوں کا قانون یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ظہور اسلام کے دور کی انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر تھی۔ اس شریعت کا رنگ محدود قومیت کا رنگ لئے ہوئے تھا۔ یہ شریعت بین الاقوامی معیار پر نہ تل سکتی تھی۔ اس میں جملہ مسائل انسانی کی ہمہ گیری کا فقدان تھا۔ اس کی تعزیر نسبتاً سخت گیری کا مظہر تھی۔

اسلام نے بجا طور پر اسے منسوخ قرار دے کر ایک ہمہ گیر، اکمل و افضل، قابلِ قبول شریعت جو عالمی انسانی برادری

کے ہمہ گیر تقاضوں کو پورا کرنے کی کلیۃً اہل تھی۔ انسانیت کے سامنے پیش کی۔ اسلام نے انسانی ضمیر، اور ضروریات اور طبعی رجحان کے ایک نفسیاتی تجزیئے کی بنا پر ایک ایسی شریعت تجویز کی۔ جو آج کی ترقی یافتہ قوموں کے قانون کی بیخ و بنیاد ہے۔ اسلام پہلا مذھب ہے اور اسلامی شریعت پہلی اور آخری شریعت ہے۔ جس میں اعمال کی بنیاد نیت پر رکھی گئی ہے۔ اہلِ مغرب نے اس خصوصیت کو من و عن قبول کیا ہے۔ آج دنیا بھر کی کچہریوں میں قتل کی سزائیں قتل کی نوعیت کی بنا پر اسلئے اتنی ہی مختلف ہیں جتنے کہ قتل کے ارتکاب کے لئے اسباب ہو سکتے ہیں۔ قتل کی نوعیت اور مدعا کا خصوصی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یہودیوں کا قانونِ وراثت بھی محدود قومیت کا مظہر اور ارتکازِ زر کا موجب تھا۔ اسلام نے اسے منسوخ کر کے ایک ایسا قانونِ وراثت دیا۔ جس میں وراثت کو زیادہ سے زیادہ مستحقین میں بانٹا گیا ہے اور مستحقین کے تقابلی استحقاق کی بنا مورث کے ساتھ تقابلی محبت اور ہمدردی پر رکھی گئی ہے۔ اس طرح ایک طرف تو ارتکازِ زر کا امکان ختم ہو گیا۔ اور دوسری طرف صلہ رحمی، اخوت اور رشتہ داری کا دائرہ وسیع اور رشتہ مضبوط ہو گیا۔

یہودیوں کا تعزیری قانون بھی نہایت سخت درجے کا تھا۔ اسلام نے اس معاملے میں نرمی کا ثبوت دیا۔ سزاؤں کی سختی میں یہودیوں کا جنگی قانون سخت تر تھا۔ مفتوحین میں مردوں کو تہہ تیغ کر دیا جاتا تھا۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاتا تھا۔ اور جملہ املاک کو ضبط کر لیا جاتا تھا۔ اسلام نے دنیا کو ایک نرم جنگی قانون دیا۔ جس کے مطابق جنگی اسیروں سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جاتا تھا۔ دورانِ جنگ کسی پھلدار درخت کو کاٹنے یا کسی کھیتی کو اجاڑنے کسی بستی کو نذرِ آتش کرنے یا کسی ایسے شخص کو ستانے، جو شریکِ جنگ نہ ہو۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں عالموں اور پادریوں پر کسی قسم کی زیادتی کرنے کی قطعاً ممانعت تھی۔ جنگ سے پہلے شرطیں پیش کی جاتیں۔ قبول اسلام کی صورت میں مقابل کو برابر کے حقوق حاصل ہو جاتے۔ ورنہ جزیہ پر اکتفا کیا جاتا۔ تیسری صورت جنگ کی تھی۔

اقتصادیات کا یہودی نظریہ سود خوری اور جلبِ زر پر مبنی تھا۔ یہودی اس امر میں سخت واقع ہوئے ہیں۔ مشہور انگریز شاعر، ادیب اور ڈرامہ نگار شیکسپیر کا شائلاک ایک مثالی قرض خواہ یہودی جو قرض دار کا ایک پونڈ گوشت کاٹنے پر بھی مصر ہو جاتا ہے۔ بہر حال مبنی بر حقیقت تھا۔

اسلام کے اقتصادی نظریہ کے مطابق لامحدود ارتکازِ زر، بے پناہ مالی تفاوت، ایک نہایت غیر مستحسن امر ہے۔ غلہ اس خیال سے جمع کرنا کہ مہنگے داموں بیچا جائے گا۔ ممنوع ہے۔ اپنی ضروریات سے فالتو مال غرباء میں تقسیم کرنے کا حکم ہے۔ سود خوری کے تمام طریقے حرام ہیں۔ مال کو زکوٰۃ کے ذریعے پاک کرنا فرض ہے جس شخص کے پیٹ میں روٹی ہو۔ اور وہ مر جائے اس کا ہمسایہ بھوکا ہو تو ایسے شخص پر جنت حرام ہو جاتی ہے۔ خلیفۃ المسلمین کے

لئے بھی محض گذارہ الاؤنس مقرر ہے اور واجب ہے کہ خلیفۃ المسلمین بھی ایسی ہی روٹی کھائے جو عامۃ المسلمین کو میسر ہو۔ اور ایسے ہی کپڑے پہنے۔ جیسے عوام پہنتے ہوں۔ اگر دنیائے اسلام میں ایک فرد بھی بھوکا ہو تو خلیفۃ المسلمین سے باز پرس ہو گی۔ اس کے برعکس یہودی سود خور، بے مروت، کنجوس، مکار، غدار، سنگدل، متعصب، بزدل اور فحاش تھے۔

اسلام نے جو معاشرہ پیدا کیا۔ اس کے اثر سے مسلمان سخی، دلیر، روادار، مخلص، وفادار، رحم دل اور غیور ہو گئے۔ کلمۂ حق کہتے ہی انسان اپنے اندر ایک خاص قلب ماہیت محسوس کرتا ہے۔ یہودیوں پر بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نوازشات رہی ہیں، مگر یہودیوں نے ہمیشہ اللہ کریم کی خوشنودی حاصل کرنے سے پہلو تہی کی، ہمیشہ احکامِ الٰہی کی بجاآوری سے اجتناب کیا۔ ہمیشہ عاقبت پر دنیا کو ترجیح دی۔ ہمیشہ بزدلی کا مظاہرہ کیا۔ اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہاں تک کہہ دیا۔ کہ اے موسیٰ! تو نہ تو بڑی آگ دیکھ۔ نہ ہی اللہ سے کلام کر۔ ہم ہر چیز سے باز آئے ہمیں آرام سے رہنے دے۔ اور جب جہاد کا موقع آیا تو واشگاف الفاظ میں کہہ دیا: ”موسیٰ! تو جا اور تیرا خدا! اور تم دونوں لڑو۔ ہم تو شہر میں تب داخل ہوں گے جب وہ لوگ وہاں سے نکل چکے ہوں گے“۔ بعض اوقات احکامِ الٰہی کا مذاق اڑایا۔ اور مسخرے پن کا مظاہرہ کیا۔ اس کے علاوہ بے شمار نبیوں کے قتل کے مرتکب ہوئے اور بعض کو جھٹلایا۔ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر چڑھانے کی کوشش کی۔ اور نبی آخر الزمان ﷺ کی نبوت سے بہ استثنائے چند سب نے انکار کیا۔ ان خصائل کی وجہ سے یہ قوم راندۂ درگاہ اور رسوائے روزگار ہو گئی۔ سارے جہاں میں جتنی مردود و مقہور و مغضوب یہ قوم رہی ہے اور کوئی قوم نہیں رہی۔ ایک یہودی مورخ نے جب یہودیوں کی تاریخ مرتب کی تو اس نے لکھا کہ "THIS IS NOT A HISTORY BUT MISFORTUNE" اس کے مقابلے میں اصحابِ رسول ﷺ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو برحق تسلیم کر لیا۔ تو تن، من، دھن، اس تحریک کی نذر کر دیا۔ وہ قربانیاں پیش کیں کہ دنیا کی تاریخ کوئی ایسی دوسری مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سر بکف ہو کر جہاد کئے۔ جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں اپنی ہستی تک کو بھول گئے، احکامِ الٰہی پر تا بہ حد جزئیات عمل کیا۔ اور اللہ کی زمین کے چپے چپے پر کلمۃ الحق بلند کیا۔ ان کی اس فرض شناسی کی بدولت دنیا کا گوشہ گوشہ ضیائے اسلام سے منور ہو گیا۔

یہودی سوائے بنی اسرائیل کے نبیوں کے کسی نبی کو نہیں مانتے۔ اور فرشتوں میں سے بعض فرشتوں مثلاً حضرت جبرائیلؑ کے دشمن ہیں۔ اسلام نے سب نبیوں سب فرشتوں، سب الہامی کتابوں پر ایمان لازمی قرار دیا۔ یہ ایک عالم گیر مذہب کی نشانی ہے۔

توریت وزبور میں احوالِ آخرت کا کچھ ضمنی سا تذکرہ ہے۔ اسلام نے عالم بقاء کی اتنی واضح منظر کشی کی ہے کہ اس زندگی کا منظر حقیقت بن کر انسان کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ سزا و جزاء جنت و دوزخ کو ایسے دلپذیر منطقی استدلال سے پیش کیا گیا ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں رہتی اور ایک منکر بھی ایمان لانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

یہودیوں کے سود خور اور نفع اندوز ذہن میں خیرات کا ایک مبہم سا تصور ہے، اسلام نے خیرات پر زور دیا ہے۔ حتیٰ کہ ہر بھلائی کو خیرات تصور کیا ہے۔

یہودی مذہب میں اگرچہ بت پرستی منع ہے۔ اور یہودی بعض دوسرے مذاہب کے مقابلے میں بت پرستی اور بت گری سے البتہ اجتناب کرتے ہیں۔ تاہم اسلام نے جس شدومد کے ساتھ اس فعلِ شنیع کا سدِباب کیا ہے۔ وہ اسلام ہی کا حصہ ہے۔ اسکے علاوہ چونکہ یہودیت محض ایک قومی مذہب ہے۔ اور اسلام ایک بین الاقوامی مذہب ہے اور اسلام کا حلقۂ اثر بے حد وسیع ہے۔ اسلئے جو شرف اس معاملے میں اسلام کو حاصل ہے۔ کسی دوسرے کو نہیں یہودی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں اسلام نے اللہ عزوجل کے باپ یا بیٹا ہونے کا تصور یکسر محو کر دیا ہے یہودیوں نے بہت کم توجہ اپنے مذہب کے پرچار پر دی ہے. اسلام نے اسکے برعکس ابتداء سے ہی اپنی عالم گیر حیثیت کا اعلان کر کے سارے جہان کو بہانگِ دُہل اللہ کی طرف بلایا اور دنیا کے گوشے گوشے میں توحید کا پیغام پہنچایا۔

غور سے دیکھا جائے۔ تو آج کی مغموم انسانیت کے جتنے بھی دکھ ہیں۔ وہ سب کے سب انسان پر چھائی ہوئی یہودی ذہنیت کے پیدا شدہ ہیں۔ اور ان یہودی نظریوں کے خلاف جہاد ہی اللہ کی ستم زدہ مخلوق کو پھر ایکبار امن و سلامتی سے ہمکنار کر کے منزل مقصود کی جانب روانگی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ اور یہ فرض ملتِ اسلامیہ کے کندھوں پر آن پڑا ہے۔ کیا دورِ حاضر کا مسلمان اس فرض کو نبھا سکے گا؟ آثار ایسے ہیں کہ مسلمان اس فرضِ منصبی کو نبھانے کے لئے سینہ سپر ہو گا۔ اس وقت ایک طوفانی لہر عالمِ اسلام میں حالاتِ آئندہ کی آئینہ دار ہے۔ مگر قوموں کی زندگی کے پیمانے میں ماہ و سال بہت ہی قلیل اکائیاں ہیں۔

یہودی ٹھیٹھ مادہ پرست اور روحانیت سے قطعاً بیزار تھے۔ اپنے اس یک طرفہ پن کے سبب وہ گوناگوں اور بوقلموں خرابیوں کا شکار ہو گئے۔ ان کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث فرمایا۔ اس جلیل القدر نبیؑ کی تعلیمات یکسر یہودیوں کے مزاج کے خلاف تھیں۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ اور اپنے نظریات پر اٹل رہے۔ کسی حالت میں بھی دنیاوی منفعت کا قلیل سے قلیل خسارہ بھی برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں مادی زندگی کی حقارت کے ساتھ ساتھ، روحانیت کے عناصر غالب تھے۔ یہودی نظریۂ مساوات کے بھی قائل نہ ہو سکتے تھے۔ اور حضرت

عیسیٰ علیہ السلام معاشرے کے حقیر ترین افراد سے بے تکلفی ہی نہیں برتتے تھے بلکہ ان کے احوال پر بمقابلہ اغنیاء زیادہ توجہ فرماتے تھے۔ یہودی راہب جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی کامیابی کی صورت میں اپنے جاہ واقتدار کا قطعی زوال نظر آرہا تھا۔ اس پیغمبر کی سخت مخالفت پر اتر آئے اور ان کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا کر کے آخر کار رومی گورنر سے ان کی شکایت کر کے بغاوت کے الزام میں مصلوب کرنے کی سعی کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر ان بدکرداروں سے رہائی دلائی۔

حضرت عیسیٰ کے بعد آپ کے حواریوں نے عیسائیت کا پرچار کیا۔ انجیل کے صحیفے مرتب کئے اور حضرت عیسیٰ کے فقر کی بنیادوں پر عیسائی مذہب کی تشکیل کی۔ ان کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ اور عیسائی مذہب چہار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ لیکن مسیحیت چونکہ مذھب کی تاریخ کی ایک کڑی تھی۔ مکمل، لازوال اور آخری مذھب نہ تھا۔ رفتہ رفتہ جہاں ایک طرف عقائد مسخ ہونا شروع ہو گئے۔ وہاں دوسری طرف رہبانیت کے غلط رواج کے سبب راہبوں اور پادریوں نے وہ گل کھلائے۔ کہ وہی مذھب جو ایکبار انسانی نجات کا ضامن ہو کر اٹھا تھا۔ اپنے پیروکاروں کے لیے ایک عذابِ الیم بن گیا۔ روحانیت پر کھڑی کی ہوئی عمارت، پادریوں کی لامحدود دنیاوی حرص وہوا کے سبب اور خود اپنے ناقابل عمل ہونے کے سبب مادی آفتوں کا گھر بن گئی۔

اللہ کریم کی ہستی تو خود خارج از بحث ہو گئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف خوش نما اور سحر آفرین تصویر باقی رہ گئی تھی۔ گرجوں کو ناچ گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ جنت کے ٹکٹوں کی فروخت سینما کے ٹکٹوں کی طرح ہونے لگی۔ علم و فضل کا حصول تو شجرۂ ممنوعہ قرار دے دیا گیا تھا۔ جاہل اور ان پڑھ عیسائی قوم پادریوں اور راہبوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کے رہ گئی تھی۔ آسمانی باپ کی آسمانی بادشاہت کے بہانے لاٹ پادری مرتبہ بہ مرتبہ اس آسمانی بادشاہت کے ارکان کی حیثیت سے سرگرم عمل ہو گئے تھے۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا گیا۔ گناہ کی پیدائش یعنی اولادِ آدم کی نجات کا واحد ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شفاعت قرار دے کر ایک اچھا خاصا بلیک میلنگ کا کاروبار شروع ہو گیا۔ اللہ کو آسمانی باپ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کا بیٹا بنا کر آسمانی بادشاہت کی روحانی دنیا کے دلپذیر پر آسمانوں کی خوشنما دنیاؤں میں لاطائل، موشگافیوں، باریک بینیوں، نکتہ سنجیوں کی پیچ در پیچ بھول بھلیوں میں نظریۂ تثلیث کا ایک ایسا گورکھ دھندا تیار کیا گیا۔ کہ حواس باختہ، عقلِ انسانی، بے چاری حیران آنکھوں سے اس سارے بکھیڑے کو اپنی نارسائی پر محمول کر کے خاموش دیکھتی رہی۔ بحث و تمحیص کا یہ رجحان آخر کار عیسائی مذہب کی بے شمار فرقہ بندیوں کا باعث ہوا۔ اتنی فرقہ بندیاں کہ جن کا شمار کرنے کے لئے ایک طویل عمر کی ضرورت ہے اور ایک کارخانہ کاغذ سازی کا درکار ہے۔ اور پھر مزہ یہ ہے کہ نظریۂ تثلیث، خود وہ پادری لوگ جو

زندگی بھر اس مسئلے پر بحث کرتے رہے۔ اور لمبی لمبی تقریریں کرتے رہے۔ خود بھی نہ سمجھ سکے نہ ہی کسی کو سمجھا سکے علاوہ اسکے ایک نظریہ موسوم بہ "کفارۂ گناہ" ایسا دلپذیر وضع کیا کہ ؎ خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیۓ؟ تفصیل اس اجمال کی یوں سمجھیۓ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے کی حیثیت سے صلیب پر جان دے کر جملہ انسانیت کے گناہوں کا کفارہ دے گئے۔ لیکن حیران کن بات یہ ہے۔ کہ اس کفارے کے ادا ہو جانے کے بعد پادریوں اور لاٹ پادریوں نے جو سزائیں معمولی سے معمولی گناہ کی پاداش میں عیسائی مذہب کے پیروؤں کو دیں اور وہ ان گنت عیسائی جو مختلف جرائم کی پاداش میں زندہ آگ میں جلائے گئے...... اس کا کیا مطلب تھا؟ کیا عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ دیا جا نہیں چکا تھا۔ اس کفارے کی ادائیگی کے بعد پھر کسی سزا کی کوئی گنجائش ہو سکتی تھی؟ یا یہ کہ یہ تمام سزائیں پادری لوگ آسمانی بادشاہت منوانے کی بجائے اپنی بادشاہت کے قیام کے لئے دے رہے تھے۔ وہ مظالم جو خدا پرست عیسائیوں پر آسمانی بادشاہت کے ان علمبرداروں نے عیسائیت کی تاریخ میں کیے ہیں، ان کی تفصیلات پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن آخر کار اسلام کی مثال نے عیسائی دنیا کی آنکھیں کھول دیں اور وہی ہوا جو کچھ کہ ہونا چاہیے تھا۔ صدیوں کی پس ماندہ اور ستم زدہ عیسائیت تنگ آمد بجنگ آمد، تمام رکھ رکھاؤ بالائے طاق رکھ کر ظالم پادریوں اور مسخ شدہ اور ناقابلِ عمل، یک طرفہ مذہب کے خلاف سینہ سپر ہو کر دین کلیساء کو چھوڑ چھاڑ کر، اور زنجیریں توڑ تاڑ کر علم بغاوت بلند کر کے مادی کائنات کو مسخر کرنے کی غرض سے اقلیم قدرت میں داخل ہو کر مادہ پرستی کی تاریکیوں میں کھو گئی۔ ان کی یہ ہمہ گیر تحریک، ہر سیاہ و سفید کو اپنے ساتھ خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئی۔ اور گو کہ اسلام ہی کی مثال سامنے رکھ کر انہوں نے اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ مگر افسوس کہ مذہبِ اسلام پر ان کا ایمان نہ ہونے کے سبب وہ اسلام کی متوازن حیثیت کو سمجھنے سے قاصر رہنے کی وجہ سے عنصر روحانی سے قطعاً غافل رہے اور گو کہ مادی دنیا میں وہ انقلاب برپا کیا اور تسخیر کائنات کے وہ محیر العقول معرکے سر کیے...... کہ انسانی عقل وجد میں آجاتی ہے۔ مگر ان کی روحانی اور اخلاقی اقدار سے حقیقی اور ناقابلِ معافی غفلت آخر کار رنگ لائی۔ قدرت کسی کو بھی معاف نہیں کرتی۔ قدرت کے قانون اٹل ہیں۔ مغرب کی یک طرفہ مادی ترقی اور غیر روحانی دنیا میں ان کا کلی انہماک قانونِ قدرت کی خلاف ورزی تھی۔ قدرت کا قانون ایک متوازن حقیقت پر مبنی ہے۔ اور متوازن زندگی کا متقاضی ہے۔ قدرتِ کاملہ نے اس دنیا کی بنیاد اس اصول پر رکھی ہے کہ دو متقابل کیفیتیں لازم و ملزوم ہیں۔ کائناتی بنیاد کی اولین ممبر ایٹم میں بھی یہی اصول کار فرما ہے۔ ایٹم بھی دو متقابل اجزاء سے بنا ہے۔ وہاں بھی الیکٹران ہے تو الیکٹران کے مقابلے پر پروٹان ہے۔ یہی اصول اس بنیادی ذرے سے لے کر کائنات کی ہر بڑی سی بڑی چیز پر لاحق ہے۔ آج خدا کی مخلوق ایٹم بم کے خطرے سے تھر تھر کانپ رہی ہے۔ اور عیسائی دنیا میں احساسِ انسانی کا اتنا

...... بقیہ صفحہ نمبر : ۲۳ پر